سعادت حسن منٹو

(حالاتِ زندگی)

سعادت حسن منٹو سمرالہ ضلع لدھیانہ میں ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امرتسر میں حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان پاس کر کے علی گڑھ کالج میں داخلہ لیا۔ لیکن تعلیم کو ادھورا چھوڑ کر امرتسر واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ لاہور کے رسالوں میں کام کیا۔ پھر آل انڈیا ریڈیو سے منسلک ہو گئے۔ بعدازاں بمبئی میں متعدد فلمی رسالوں کی ادارت کی۔ اور فلمی کہانیاں لکھیں۔ اِن کی تخلیقی صلاحیتوں کو بمبئی کا ماحول بہت راس آیا۔ چناں چہ اِن کے بیش تر افسانے اُسی دور کی تخلیق ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد لاہور آ کر مستقل طور پر رہنے لگے۔ منٹو کا شمار اُردو کے بہترین افسانہ نگاروں میں کیا جاتا ہے۔ اُن کے یہاں عمدہ فنی نمونے ملتے ہیں۔ اُنہوں نے بعض فرسودہ موضوعات پر خاص انداز اور جزئیات نگاری سے نہایت موثر کہانیاں پیش کی ہیں۔ انہوں نے افسانے کی زبان کو تکلف سے آزاد کیا۔ اُن کے مکالموں میں بے تکلفی کے علاوہ کبھی کبھی بازاری زبان کا استعمال بھی ملتا ہے۔ مگر وہ اپنی اِس غیر روایتی زبان میں احساس کے تاروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ بعض نقاد منٹو کو مغربی افسانہ نگاروں کا خوشہ چیں کہتے ہیں۔ لیکن اِس رائے سے بہت سے نقاد متفق نہیں ہیں۔

اُن کا پہلا افسانہ "تماشا" ہے اور آخری "کبوتر کبوتری" ہے۔ اس کے علاوہ منٹو کے افسانے گنجے فرشتے، یزید، نمرود کی خدائی، خالی بوتلیں خالی ڈبے، نور جہاں سرورِ جہاں، بادشاہت کا خاتمہ، سرکنڈوں کے پیچھے، منٹو کے مضامین، جنازے، کروٹ، تلخ ترش شریں، اوپر نیچے، پھندے، تین عورتیں، لاؤڈ اسپیکر، سڑک کے کنارے، سیاہ حاشیے، آتش پارے، بغیر عنوان کے، سرگزشتِ امیر اور گورکی کے افسانے وغیرہ ان کے قابلِ ذکر افسانے ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں انہوں نے لاہور میں وفات پائی۔

جی آیا صاحب

(سعادت حسن منٹو)

مقاصدِ تدریس

۱۔ طلبہ کو افسانے کے ذریعے معاشرے میں موجود طبقاتی فرق سے آگاہ کرنا۔
۲۔ طلبہ کو کسی ادبی یا علمی تحریر میں فنی وفکری تجزیہ کر کے اپنی رائے دینے کے لیے تیار کرنا۔
۳۔ طلبہ کو سعادت حسن منٹو کے نثری خوبیوں سے واقفیت دلانا۔
۴۔ اُردو افسانے میں جاری رجحان سے آگاہی دینا۔

خاص الفاظ وتراکیب: قمقمہ ۔ ہیبت ناک ۔ کیتلی ۔ انڈیلنا ۔ غیر مرئی طاقت ۔ نیند کا غلبہ ۔ ڈکار
چراغِ گور ۔ سرخ دَھار ۔ طومار

باورچی خانے کی دُھندلی فضا میں بجلی کا ایک اندھا قُمقُمہ چراغِ گور کی مانند اپنی سُرخ روشنی پھیلا رہا تھا۔ دھوئیں ہوئی دیواریں ہیبت ناک دیووں کی طرح انگڑائیاں لیتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ چبوترے پر بنی ہوئی انگیٹھیوں میں آگ کی آخری چنگاریاں ابھر ابھر کر اپنی موت کا ماتم کر رہی تھیں ایک برقی چولھے پر رکھی ہوئی کیتلی کا پانی نہ معلوم کس چیز پر خاموش ہنسی ہنس رہا تھا...... دُور کونے میں پانی کے نل کے پاس ایک چھوٹی عمر کا لڑکا بیٹھا برتن صاف کرنے میں مشغول تھا...... یہ انسپکٹر صاحب کا نوکر تھا۔

برتن صاف کرتے وقت یہ لڑکا کچھ گُنگنا رہا تھا۔ یہ الفاظ ایسے تھے؛ جو اس کی زباں سے بغیر کسی کوشش کے نکل رہے تھے۔

''جی آیا صاحب! جی آیا صاحب!......بس ابھی صاف ہو جاتے ہیں صاحب''۔

ابھی برتنوں کو راکھ سے صاف کرنے کے بعد اُنہیں پانی سے دھو کر قرینے سے رکھنا بھی تھا۔ اور یہ کام جلدی سے نہ ہو سکتا تھا۔ لڑکے کی آنکھیں نیند سے بند ہوئی جا رہی تھیں۔ سر سخت بھاری ہو رہا تھا مگر کام کیے بغیر آرام...... یہ کیونکر ممکن تھا؟
برقی چولھا بدستور ایک شور کے ساتھ نیلے شعلوں کو اپنے حلق سے اگل رہا تھا۔ کیتلی کا پانی اسی انداز میں کھل کھلا کر ہنس رہا تھا۔

دفعتاً لڑکے نے نیند کے ناقابلِ مغلوب حملے کو محسوس کرتے ہوئے اپنے جسم کو ایک جنبش دی؛ اور ''جی آیا صاحب، جی آیا صاحب'' گُنگناتا ہوا پھر کام میں مشغول ہو گیا۔

دیوار گیروں پر چُنے ہوئے برتن اس لڑکے کو ایک غیر مختتم ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے تھے۔ پانی کے نل سے روزانہ ایک ہی

واقعہ دیکھ کر قطروں کی صورت میں آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ بجلی کا قمقمہ حیرت سے اُس لڑکے کی طرف ......دیکھ رہا تھا...... کمرے کی فضا سسکیاں بھرتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

''قاسم......قاسم!''۔

''جی آیا صاحب!'' لڑکا جو انہی الفاظ کی گردان کر رہا تھا۔ بھاگا ہوا اپنے آقا کے پاس گیا۔

انسپکٹر صاحب نے کمبل سے منہ نکالا اور لڑکے پر خفا ہوتے ہوئے کہا۔ ''بیوقوف کے بچے! آج پھر یہاں صُراحی اور گلاس رکھنا بُھول گیا ہے۔

''ابھی لایا صاحب......ابھی لایا صاحب''۔

کمرے میں صراحی اور گلاس رکھنے کے بعد وہ ابھی برتن صاف کرنے کے لیے بیٹھا ہی تھا کہ پھر اس کمرے سے آواز آئی۔

''قاسم......قاسم!''

''جی آیا صاحب'' قاسم بھاگتا ہوا اپنے آقا کے پاس گیا۔

''بمبئ کا پانی کس قدر خراب ہے...... جاؤ پارسی کے ہوٹل سے سوڈا لے کر آؤ۔ بس بھاگتے ہوئے جاؤ......سخت پیاس لگ رہی ہے''۔

قاسم بھاگا ہوا گیا۔ پارسی کے ہوٹل سے جو گھر سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ سوڈے کی بوتل لے آیا۔ اور اپنے آقا کو گلاس میں ڈال کر دے دی۔

''اب تم جاؤ۔ مگر اس وقت تک کیا کر رہے ہو، برتن صاف نہیں ہوئے کیا''؟

''ابھی صاف ہو جاتے ہیں صاحب''۔

''اور ہاں برتن صاف کرنے کے بعد میرے سیاہ بوٹ کو پالش کر دینا مگر دیکھنا احتیاط رہے۔ چمڑے پر کوئی خراش نہ آئے۔ ورنہ......''

قاسم کو ''ورنہ'' کے بعد کا جُملہ بہ خوبی معلوم تھا ''بہت اچھا صاحب''۔

کہتے ہوئے وہ باورچی خانے میں واپس چلا گیا۔ برتن صاف کرنے شروع کر دیے۔

اب نینداس کی آنکھوں میں سمٹی چلی جارہی تھی۔ پلکیں آپس میں ملی جارہی تھیں۔ سر میں سیسہ اُتر رہا تھا...... یہ خیال کرتے ہوئے کہ صاحب کے بوٹ بھی ابھی پالش کرنے ہیں۔ قاسم نے اپنے سر کو زور سے جنبش دی۔ اور وہی راگ الاپنا شروع کر دیا۔

''جی آیا صاحب، جی آیا صاحب! بوٹ ابھی صاف ہو جاتے ہیں صاحب''۔

مگر نیند کا طوفان ہزار بند باندھنے پر بھی نہ رُکا۔ اب اسے محسوس ہونے لگا۔ کہ نیند ضرور غلبہ پا کر رہے گی۔ لیکن ابھی برتنوں کو دھو کر انہیں اپنی اپنی جگہ پر رکھنا باقی تھا۔ اس وقت ایک عجیب خیال اس کے دماغ میں آیا۔ ''بھاڑ میں جائیں برتن۔ اور چولھے میں جائیں بوٹ...... کیوں نہ تھوڑی دیر اسی جگہ پر سو جاؤں۔ اور پھر چند لمحات آرام کرنے کے بعد.....''

اس خیال کو باغیانہ تصور کرتے ہوئے قاسم نے ترک کر دیا۔ اور برتنوں پر جلدی جلدی راکھ ملنا شروع کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد جب نیند پھر غالب آئی۔ تو اُس کے جی میں آیا کہ اُبلتا ہوا پانی اپنے سر پر انڈیل لے۔ اور اس طرح غیر مرئی طاقت سے جو اس کے کام میں حارج ہو رہی تھی نجات پا جائے...... مگر اتنا حوصلہ نہ پڑا۔

بہ صد مشکل منہ پر پانی کے چھینٹے مار مار کر اس نے سب برتنوں کو بالآخر صاف کر ہی لیا۔ یہ کام کرنے کے بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

اب وہ آرام سے سو سکتا تھا۔ اور نیند...... وہ نیند، جس کے لیے اس کی آنکھیں اور دماغ اس شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ اب بالکل نزدیک تھی۔

باورچی خانے کی روشنی گل کرنے کے بعد قاسم نے باہر برآمدے میں اپنا بستر بچھایا۔ اور لیٹ گیا۔ اور اس سے پہلے کہ نیند اسے اپنے آرام دہ بازوؤں میں تھام لے۔ اس کے کان ''بوٹ، بوٹ'' کی آوازوں سے گونج اٹھے۔

''بہت اچھا صاحب...... ابھی پالش کرتا ہوں''۔ بڑبڑاتا ہوا قاسم بستر سے اُٹھا۔ جیسے اس کے آقا نے ابھی بوٹ روغن کرنے کے لیے حکم دیا ہے۔

ابھی قاسم بوٹ کا ایک پیر بھی اچھی طرح پالش کرنے نہ پایا تھا۔ کہ نیند کے غلبے نے اسے وہیں پر سُلا دیا۔

سورج کی خونیں کرنیں اس مکان کے شیشوں سے نمودار ہوئیں ...... قاسم کی کتابِ حیات میں ایک اور پُر از مشقت باب کا اضافہ ہو گیا۔

صبح جب انسپکٹر صاحب نے اپنے نوکر کو باہر برآمدے میں بوٹوں کے پاس سویا ہوا دیکھا۔ تو اسے ٹھوکر مار کر جگاتے ہوئے کہا ''یہ سُور کی طرح یہاں بے ہوش پڑا ہے۔ اور مجھے خیال تھا؛ کہ اس نے بوٹ صاف کر لیے ہوں گے...... نمک حرام!...... ابے قاسم''۔

''جی آیا صاحب''۔

قاسم کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا۔ کہ اُس نے اپنے ہاتھ میں بوٹ صاف کرنے کا بُرش دیکھا۔ فوراً ہی اس معاملے کو سمجھتے ہوئے اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں سو گیا تھا صاحب! مگر...... مگر بوٹ ابھی پالش ہو جاتے ہیں صاحب......''
یہ کہتے ہوئے اس نے جلدی جلدی بوٹ کو برش سے رگڑنا شروع کر دیا۔
بوٹ پالش کرنے کے بعد اس نے اپنا بستر تہہ کیا۔ اور اسے اوپر کے کمرے میں رکھنے چلا گیا۔
''قاسم''
''جی آیا صاحب''
''قاسم بھاگا ہوا نیچے آیا اور اپنے آقا کے پاس کھڑا ہو گیا۔
''دیکھو آج ہمارے یہاں مہمان آئیں گے۔ اس لیے باورچی خانے کے تمام برتن اچھی طرح صاف کر رکھنا...... فرش بھی دُھلا ہونا چاہیے اس کے علاوہ تمہیں ملاقاتی کمرے کی تصویروں، میزوں اور کرسیوں کو بھی صاف کرنا ہوگا...... سمجھے! مگر خیال رہے میری میز پر ایک تیز دھار چاقو پڑا ہوا ہے، اسے مت چھیڑنا! میں اب دفتر جا رہا ہوں۔ مگر یہ کام دو گھنٹے سے پہلے ہو جانا چاہیے''۔
''بہت بہتر صاحب''۔
انسپکٹر صاحب دفتر چلے گئے۔ قاسم باورچی خانہ صاف کرنے میں مشغول ہو گیا۔
ڈیڑھ گھنٹے کی ان تھک محنت کے بعد اس نے باورچی خانے کے تمام کام کو ختم کر دیا۔ اور ہاتھ پاؤں صاف کرنے کے بعد جھاڑن لے کر ملاقاتی کمرے میں چلا گیا۔
وہ ابھی کرسیوں کو جھاڑن سے صاف کر رہا تھا کہ اس کے تھکے ہوئے دماغ میں ایک تصویر سی کھچ گئی۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ اس کے گردوپیش برتن ہی برتن پڑے ہیں۔ اور پاس ہی راکھ کا ایک ڈھیر لگ رہا ہے۔ ہوا زوروں پر چل رہی ہے۔ جس سے وہ راکھ اڑ اڑ کر فضا کو خاکستری بنا رہی ہے۔ یکایک اس ظلمت میں ایک سُرخ آفتاب نمودار ہوا جس کی کرنیں خون آشام برچھیوں کی طرح ہر برتن کے سینے میں گھس گئیں۔ زمین خون سے شرابور ہو گئی...... فضا خوشی کے قہقہوں سے معمور ہو گئی۔
قاسم یہ منظر دیکھ کر گھبرا گیا۔ اور اس وحشت ناک خواب سے بیدار ہو کر جی ''جی آیا صاحب، جی آیا صاحب''۔ کہتا ہوا پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔
تھوڑی دیر کے بعد اس کی آنکھوں کے سامنے ایک اور منظر رقص کرنے لگا۔ اب اس کے سامنے چھوٹے چھوٹے لڑکے آپس میں کوئی کھیل کھیل رہے تھے۔ دفعتاً آندھی چلنا شروع ہوئی۔ جس کے ساتھ ہی ایک بدنما اور بھیانک دیو نمودار ہوا۔ جوان سب لڑکوں کو نگل گیا...... قاسم نے خیال کیا۔ کہ وہ دیو اس کے آقا کے ہم شکل تھا۔ گو قد و قامت کے لحاظ سے وہ اس سے کہیں بڑا تھا۔ اب اس دیو نے زور زور سے ڈکارنا شروع کیا...... قاسم سر سے پیر تک لرز گیا۔

ابھی تمام کمرہ صاف کرنا تھا۔ اور وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ چناں چہ قاسم نے جلدی جلدی کرسیوں پر جھاڑن مارنا شروع کردیا۔ کہ اسے یکا یک خیال آیا۔ ''آج مہمان آرہے ہیں۔ خدا معلوم کتنے برتن صاف کرنے پڑیں گے۔ اور یہ نیند کم بخت کتنی ستا رہی ہے...... مجھ سے تو کچھ بھی نہ ہو سکے گا......''

یہ سوچتے وقت وہ میز پر رکھی ہوئی چیزوں کو پونچھ رہا تھا۔ کہ اچانک اسے قلم دان کے پاس ایک کھلا ہوا چاقو نظر آیا...... وہی چاقو جس کے متعلق اس کے آقا نے کہا تھا۔ کہ بہت تیز ہے۔

چاقو کا دیکھنا تھا کہ اس کی زبان پر یہ لفظ خود بخود جاری ہوگئے...... ''چاقو...... تیز دھار چاقو!...... یہی تمہاری مصیبت کو ختم کرسکتا ہے''۔

کچھ اور سوچے بغیر قاسم نے تیز دھار چاقو کو اٹھا کر اپنی انگلی پر پھیر لیا...... اب وہ شام کے وقت برتن صاف کرنے کی زحمت سے بہت دور تھا۔ اور نیند...... پیاری، پیاری نیند اب اسے باآسانی نصیب ہوسکتی تھی۔

انگلی سے خون کی سُرخ دھار بہہ رہی تھی...... سامنے والی دوات کی سرخ روشنائی سے کہیں چمکیلی۔ قاسم خون کی دھار کو مسرت بھری آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اور منہ میں یہ گنگنا رہا تھا۔ ''نیند، نیند...... پیاری نیند''۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ بھاگا اپنے آقا کی بیوی کے پاس گیا جو زنان خانے میں بیٹھی سلائی کر رہی تھی۔ اور اپنی زخمی انگلی دکھا کر کہنے لگا...... ''دیکھیے بی بی جی......''

''ارے قاسم یہ تو نے کیا کیا؟...... کم بخت صاحب کے چاقو کو چھیڑا ہوگا تو نے؟''

''بی بی جی...... بس میز صاف کر رہا تھا۔ اور اس نے کاٹ کھایا'' قاسم ہنس پڑا۔

''ابے سُور اَب ہنستا ہے، ادھر آ، میں اس پر کپڑا باندھ دوں،...... مگر اب بتا تو سہی، آج یہ برتن تیرا باپ صاف کرے گا؟''

قاسم اپنی فتح پر زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

انگلی پر پٹی بندھوا کر قاسم پھر کمرے میں آگیا۔ اور میز پر پڑے ہوئے خون کے دھبوں کو صاف کرنے کے بعد خوشی خوشی اپنا کام ختم کردیا۔

''اب اِس نمک حرام باورچی کو برتن صاف کرنے ہوں گے...... ضرور صاف کرنے ہوں گے...... کیوں میاں مٹھو؟ قاسم نے انتہائی مسرت میں کھڑکی میں لٹکے ہوئے طوطے سے دریافت کیا۔

شام کے وقت مہمان آئے اور چلے گئے۔ باورچی خانے میں صاف کرنے والے برتنوں کا ایک طومار سا لگ گیا...... انسپکٹر صاحب قاسم کی زخمی انگلی دیکھ کر بہت برسے۔ اور جی کھول کر گالیاں دیں۔ مگر اسے مجبور نہ کرسکے...... شاید اس لیے کہ ایک بار اُن کی اپنی انگلی میں قلم تراش کی نوک چُبھ جانے سے بہت درد محسوس ہوا تھا۔

آقا کی خفگی آنے والی مسرت نے بُھلا دی۔ اور قاسم کودتا پھاندتا ہوا اپنے بستر میں جا لیٹا۔ تین چار روز تک وہ برتن

صاف کرنے کی زحمت سے بچا رہا۔ مگر اس کے بعد انگلی کا زخم بھر آیا...... اب پھر وہی مصیبت نمودار ہوگئی۔

''قاسم...... صاحب کی جُرابیں اور قمیص دھو ڈالو''۔

''بہت اچھا بی بی جی''۔

''قاسم اس کمرے کا فرش کتنا بدنما ہو رہا ہے۔ پانی لا کر ابھی صاف کرو...... دیکھنا کوئی داغ دھبہ باقی نہ رہے......''۔

''بہت اچھا صاحب''۔

''قاسم شیشے کے گلاس کتنے چکنے ہو رہے ہیں۔ انہیں نمک سے صاف کرو''۔

''جی اچھا صاحب''۔

''قاسم! طوطے کا پنجرہ کس قدر غلیظ ہو رہا ہے۔ اسے صاف کیوں نہیں کرتے''؟

''ابھی کرتا ہوں بی بی جی''۔

''قاسم! ابھی خاکروب آتا ہے۔ تم پانی ڈالتے جانا۔ وہ سیڑھیوں کو دھو ڈالے گا''۔

''بہت اچھا صاحب''۔

''قاسم! ذرا بھاگ کے ایک آنے کا دہی تو لے آنا''۔

''ابھی چلا بی بی جی''۔

پانچ چھ روز اسی قسم کے احکام سننے میں گزر گئے۔ قاسم کام کی زیادتی اور آرام کے قحط سے تنگ آ گیا۔ ہر روز اسے نصف شب تک کام کرنا پڑتا۔ اور پھر علی الصبح چار بجے کے قریب بیدار ہو کر ناشتے کے لیے چائے تیار کرنا پڑتی۔ یہ کام قاسم کی عمر کے لڑکے کے لیے بہت زیادہ تھا۔

ایک روز انسپکٹر صاحب کی میز صاف کرتے وقت اس کے ہاتھ خود بخود چاقو کی طرف بڑھے۔ اور ایک لمحے کے بعد اس کی انگلی سے خون بہہ رہا تھا...... انسپکٹر صاحب اور ان کی بیوی قاسم کی یہ حرکت دیکھ کر بہت خفا ہوئے۔ چناں چہ سزا کی صورت میں اسے شام کا کھانا نہ دیا گیا۔ مگر وہ اپنی ایجادہ ترکیب کی خوشی میں مگن تھا...... ایک وقت کی روٹی نہ ملی۔ انگلی پر معمولی سا زخم آ گیا۔ مگر برتنوں کا انبار صاف کرنے سے نجات مل گئی...... یہ سودا کچھ بُرا نہ تھا۔

چند دنوں کے بعد اس کی انگلی کا زخم ٹھیک ہو گیا۔ اب پھر کام کی وہی بھرمار شروع تھی۔ پندرہ بیس روز گدھوں کی سی مُشقت میں گزر گئے۔ اس عرصے میں قاسم نے بارہا ارادہ کیا؛ کہ چاقو سے پھر اپنی انگلی زخمی کر لے۔ مگر اب میز پر سے وہ چاقو اُٹھا لیا گیا تھا اور باورچی خانے والی چُھری کُند تھی۔

ایک روز باورچی بیمار پڑ گیا۔ اب اسے ہر وقت باورچی خانے میں موجود رہنا پڑتا۔ کبھی مرچیں پیستا۔ کبھی آٹا گوندھتا

کبھی کوئلوں کو جلا دیتا۔ غرض صبح سے لیکر آدھی رات تک اس کے کانوں میں ''ابے قاسم یہ کر، ابے قاسم وہ کر'' کی صدا گونجتی رہتی۔

باورچی دو روز تک نہ آیا...... قاسم کی ننھی جان اور ہمت جواب دے گئی۔ مگر سوائے کام کے اور چارہ ہی کیا تھا؟

ایک روز اس کے آقا نے اسے الماری صاف کرنے کو کہا۔ جس میں ادویات کی شیشیاں اور مختلف چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ الماری صاف کرتے وقت اسے ڈاڑھی مونڈنے کا ایک بلیڈ نظر آیا۔ بلیڈ کو پکڑتے ہی اس نے اپنی انگلی پر پھیر لیا۔ دھار تھی بہت تیز اور باریک انگلی میں دور تک چلی گئی۔ جس سے بہت بڑا زخم بن گیا۔

قاسم نے بہت کوشش کی۔ کہ خون نکلنا بند ہوجائے۔ مگر زخم کا منہ بڑا تھا۔ وہ نہ تھما...... سیروں خون پانی کی طرح بہہ گیا۔ بھاگا ہوا اپنے آقا کی بیوی کے پاس گیا۔

''بی بی جی، میری انگلی میں صاحب کا اُسترا لگ گیا ہے''۔

جب انسپکٹر صاحب کی بیوی نے قاسم کی انگلی کو تیسری مرتبہ زخمی دیکھا۔ فوراً معاملے کو سمجھ گئی۔ چُپ چاپ اُٹھی اور کپڑا نکال کر اس کی اُنگلی پر باندھ دیا۔ اور کہا۔ ''قاسم! اب تم ہمارے گھر میں نہیں رہ سکتے''۔

''وہ کیوں بی بی جی؟''

''یہ صاحب سے دریافت کرنا''۔

صاحب کا نام سنتے ہی قاسم کا رنگ اور بھی سفید ہوگیا۔

چار بجے کے قریب انسپکٹر صاحب دفتر سے گھر آئے اور اپنی بیوی سے قاسم کی نئی حرکت سُن کر فوراً اپنے پاس بلایا۔

کیوں میاں یہ انگلی کو ہر روز زخمی کرنے کے کیا معنی ہیں؟''

قاسم خاموش کھڑا رہا۔

''تم نوکر یہ سمجھتے ہو کہ ہم لوگ اندھے ہیں اور ہمیں بار بار دھوکہ دیا جاسکتا ہے...... اپنا بستر بوریا دبا کر ناک کی سیدھ میں یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ہمیں تم جیسے نوکروں کی کوئی ضرورت نہیں...... سمجھے''۔

''مگر...... مگر صاحب''۔

''صاحب کا بچہ...... بھاگ جا یہاں سے۔ تیری بقایا تنخواہ کا ایک پیسہ بھی نہیں دیا جائے گا...... اب میں اور کچھ نہیں سننا چاہتا......''

قاسم روتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ طوطے کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ طوطے نے بھی خاموشی میں اس سے کچھ کہا اور اپنا بستر اٹھا کر وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔ مگر دفعتاً کچھ خیال آیا اور بھاگا ہوا اپنے آقا کی بیوی کے پاس گیا۔ اور درد انگیز آواز میں اتنا کہہ کہ ''سلام بی بی جی...... میں ہمیشہ کے لیے آپ سے رُخصت ہو رہا ہوں''۔ وہاں سے رُخصت ہوگیا۔

خیراتی ہسپتال میں ایک نوخیز لڑکا درد کی شدت سے لوہے کے پلنگ پر کروٹیں بدل رہا ہے۔ پاس ہی دو ڈاکٹر بیٹھے ہیں۔

ان میں سے ایک ڈاکٹر اپنے ساتھی سے مخاطب ہوا...... "زخم خطرناک صورت اختیار کر گیا ہے...... ہاتھ کاٹنا پڑے گا"۔

"بہت بہتر"۔

یہ کہتے ہوئے دوسرے ڈاکٹر نے اپنی نوٹ بک میں اس مریض کا نام درج کر لیا...... ایک چوبی تختے پر چارپائی کے سرہانے لٹکا ہوا تھا۔ مندرجہ ذیل الفاظ لکھے تھے۔

نام۔ محمد قاسم ولد عبدالرحمٰن (مرحوم)

عمر۔ دس سال۔

(منٹو راما)

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف) "جی آیا صاحب" کے الفاظ لڑکے کی زبان سے کسی کوشش کے بغیر کیوں نکل رہے تھے؟

ب) لڑکا بار بار اپنی اُنگلی کیوں زخمی کر لیتا تھا؟

ج) انسپکٹر نے لڑکے کو نوکری سے کیوں نکال دیا؟

د) قاسم کون سا منظر دیکھ کر گھبرا گیا؟

ہ) قاسم کس چیز سے تنگ آ گیا؟

و) قاسم نے کون سا خواب دیکھا؟

۲۔ سبق کے متن کے مطابق دُرست جواب کی نشاندہی کریں۔

الف) انسپکٹر صاحب ایک انسان تھے۔

i) نرم دل   ii) ظالم

iii) سخی   iv) کنجوس

ب) افسانہ "جی آیا صاحب" کا مرکزی کردار ہے۔

i) قاسم   ii) انسپکٹر

iii) انسپکٹر کی بیوی   iv) خود مصنف

ج) افسانہ "جی آیا صاحب" عکاسی کرتا ہے۔

i) معاشرتی تفریق کی   ii) طبقاتی تفریق کی

iii) مذہبی تفریق کی   iv) لسانی تفریق کی

د) باورچی خانے کی روشنی گُل کرنے کے بعد قاسم کے کان آوازوں سے گونج اُٹھے۔

i) ''قاسم......قاسم'' ii) ''بوٹ بوٹ''

iii) جی آیا صاحب۔ جی آیا صاحب iv) ''چاقو......تیز دھار چاقو''

ہ) قاسم کی عمر تھی۔

i) آٹھ سال ii) نو سال

iii) دس سال iv) گیارہ سال

۳۔ افسانہ ''جی آیا صاحب'' پڑھنے کے بعد آپ کس نتیجے پر پہنچے؟

۴۔ اگر آپ انسپکٹر کی جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟

۵۔ افسانہ ''جی آیا صاحب'' ہماری کن معاشرتی رویوں کی عکاسی کرتا ہے؟

۶۔ انسپکٹر کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ لیں؟

۷۔ افسانہ ''جی آیا صاحب'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں؟

۸۔ بہ حوالہ متن درج ذیل عبارت کی تشریح کریں۔ نیز سیاق وسباق بھی لکھیں۔

''تھوڑی دیر کے بعد اس کی .... قاسم سر سے پیر تک لرز گیا''۔

۹۔ درج ذیل تشبیہات کی مختصر وضاحت کریں۔

الف) چراغِ گور کی مانند ب) ہیبت ناک دیو کی طرح ج) خون آشام برچھیوں کی طرح

سرگرمیاں

۱۔ اساتذہ کرام طلبہ کو کوئی کہانی/ مکالمہ کی جزئیات سُنوا کر اُن کی استعداد کے مطابق کمی بیشی کروائیں۔

۲۔ کوئی کہانی/ مکالمہ درمیان سے سُنا کر طلبہ سے اس کی سیاق وسباق بیان کروائیں۔

۳۔ سعادت حسن منٹو کے چند اور افسانے بھی سنوائے جائیں۔

۴۔ سعادت حسن منٹو کے افسانے ''جی آیا صاحب'' کا کسی اور افسانہ نگار کے افسانے سے موازنہ کروائیں۔

اشاراتِ سبق

۱۔ اساتذہ کرام طلبہ کو افسانہ ''جی آیا صاحب'' کے ذریعے ہمارے معاشرے میں موجود طبقاتی فرق سے آگاہ کریں۔

۲۔ طلبہ کو ہمارے معاشرے میں موجود انسانی رویوں کے بارے میں بتائیں۔

۳۔ اُردو افسانوی ادب میں سعادت حسن منٹو کے مقام سے آگاہ کریں۔

۴۔ اُردو افسانے میں جاری رجحان سے طلبہ کو آگاہ کریں۔